ادھار خرید و فروخت

اور

اس کی جدید صورتیں

مقالہ نگار: رفاقت اللہ شریک تخصص سال دوم
مشرف: مفتی رضوان اللہ منیب فاضل جامعۃ الرشید کراچی

جامعۃ الشیخ زکریا پشاور

فہرست

عنوان

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا یھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ
(سورۃ البقرۃ آیت282)
"وقد اخرج البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت : اشتری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما من یھودي بنسیئۃ ورھنہ درعا لہ من حدید."
(صحیح البخاری، کتاب السلم)

ویسے تو معیشت ایک وسیع مفہوم کی ترجمانی کر رہا ہے، لیکن ہم ابتداء میں اس کے ایک ذیلی جزء بیع (خرید وفروخت) کو موضوع بحث بنالیتے ہیں اور آگے چل کر بیع کی ایک خاص قسم "بیع مؤجل" یعنی ادھار خرید وفروخت (Credit Sale) کی پوری تفصیل سے وضاحت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اسلام نے معیشت، لین دین اور خرید وفروخت کے بارے میں بھی کچھ احکام دیے ہیں، اس لیے کہ اسلام صرف معاشی نظام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دین ہے جس کے احکام زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں، جن میں معیشت، لین دین اور کاروبار وغیرہ بھی داخل ہیں ۔

بیع (Sale) کی تعریف:

بیع کے معنی بیچنے کے ہیں، بیچنے والے کو "بائع" (Seller) کہا جاتا ہے اور جو چیز بیچی جانے والی ہو اس کو "مبیع" (Outsold) کہا جاتا ہے، جبکہ شراء کے معنی خریدنے (Purchase) کے ہیں اور خریدنے والے کو "مشتری"(Buyer) کہا جاتا ہے، نیز کبھی یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ (Interchangeably) بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا معانی بیع وشراء کے لغوی معانی ہیں فقہ کی اصطلاح میں بیع کے معنی کچھ یوں ہیں:

"تجارت کی نیت اور غرض سے ایک قابل قیمت (Valuable) چیز کا دوسری قابل قیمت چیز کے ساتھ جانبین کی مکمل مرضی (Mutual consent) کے ساتھ تبادلہ کرنا۔"

اس تعریف میں " قابل قیمت چیز " سے مراد ہر ایسی چیز ہے جس میں دو صفات پائی جائیں:

(1) شرعا متقوم ہو، اس کا استعمال ممنوع (Prohibited) اور باعث گناہ نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ عرفا متقوم ہو، یعنی لوگوں کے ہاں اس کی قیمت (Commercial value) ہو، اتنی معمولی چیز نہ ہو جس کو لوگوں (یعنی جہاں خرید وفروخت ہو رہی ہو اس علاقے کے لوگوں) کے ہاں قابل قیمت نہ سمجھا جاتا ہو۔

علامہ تمرتاشیؒ تنویر الابصار میں فرماتے ہیں :

"مبادلۃ شیئ مرغوب فیہ بمثلہ علی وجہ مخصوص"

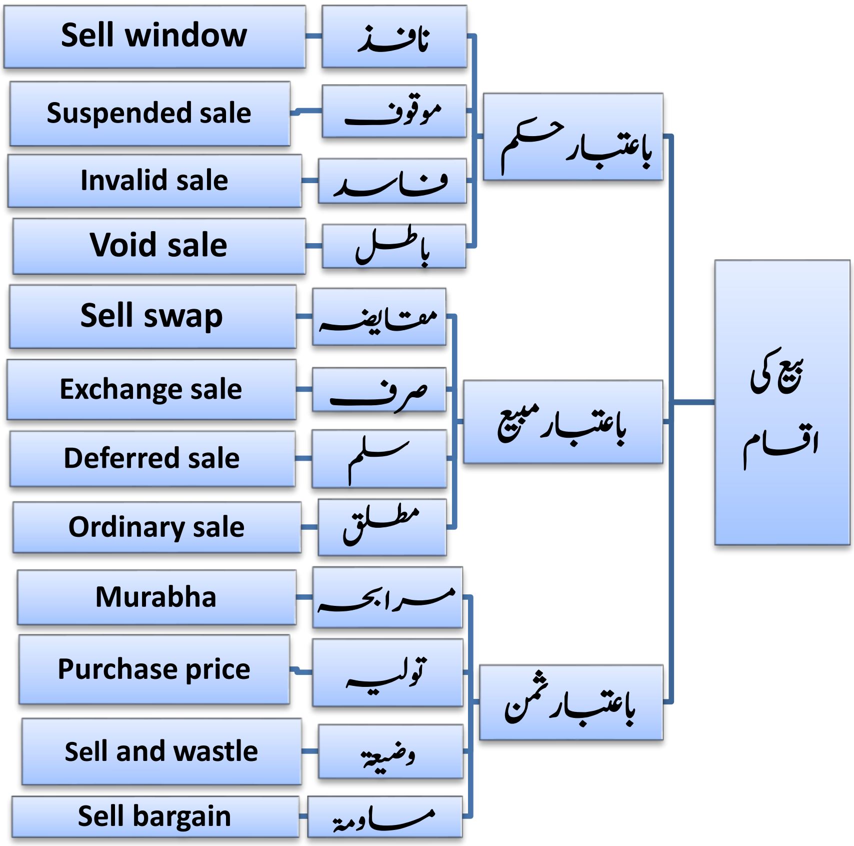
کسی مرغوب چیز کا اس کے مثل مرغوب چیز کے بدلے مبادلہ کرانا۔

یہ تعریف بیع صحیح کی ہے۔ بیع باطل ، بیع کی اس اصطلاحی تعریف سے خارج ہے۔ اس پر بیع کا اطلاق لغوی معنٰی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور بیع فاسد پر اصطلاحی بیع کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ شریعت نے اس کے لیے بیع کے بعض احکام ثابت کیے ہیں۔ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں بیع کی تعریف یوں کی ہے :

"مبادلة شيئ مرغوب بشيئ مرغوب" (21)

بیع کی تعریف کے بعد آتے ہیں بیع کی چند اقسام کی طرف:

بیع کی اقسام:



مبیع (Outsold) کے اعتبار سے بیع کی چار اقسام ہیں:

پہلی قسم:

سامان کے بدلے سامان کی بیع ہوگی تو اس کو بیع مقایضہ (Sell swap) کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم:

1

(1) بدائع الصنائع ج 4 ص 318

ثمن کے بدلے سامان کی بیع ہوگی تو اس کو بیع مطلق (Absolute sale) کہا جاتا ہے، یاد رہے کہ ثمن عام ہے، چاہے ثمن مطلق کے بدلے ہو جیسا کہ سونا اور چاندی، اسی طرح فلوس نافقہ (کرنسی نوٹ) کے بدلے ہو اور یا مکیلی، موزونی یا عددی متقارب جو کہ ذمہ پر واجب ہو اس کے بدلے ہو، ان کو بھی بیع مطلق کہا جاتا ہے۔

تیسری قسم:

دین کی بیع سامان کے عوض ہو تو اس کو بیع سلم (Deferred sale) کہا جاتا ہے۔

چوتھی قسم:

اگر نقود اور اثمان کی بیع ان کی ہم مثل کے عوض ہو تو اس کو بیع صرف (Exchange sale) کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ بیع مؤجل یعنی ادھار خرید فروخت (Credit sale) بھی بیع مطلق کی ضمن میں آتی ہے۔

ادھار خرید فروخت کی تعریف:

جس طرح نقد ادائیگی کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز ہے جو کہ بیع میں اصل ہے، اسی طرح ادھار کے ساتھ بھی جائز ہے، مثلا مشتری بائع سے کہہ دے کہ یہ چیز میں آپ سے خریدتا ہوں اور سال کے آخر میں مطلوبہ رقم ادا کروں گا، جبکہ بیع حالی میں فی الفور ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ لہٰذا بیع حالی میں بائع فی الفور ادائیگی کا مطالبہ کرسکتا ہے جبکہ بیع مؤجل میں مقررہ مدت سے پہلے بائع ثمن کا مطالبہ نہیں کرسکتا اور یہ مشتری کا حق ہوتا ہے اسی طرح ادھار خرید فروخت کی ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ ہر مہینہ اتنی رقم ادا کروں گا، اس کو بیع بالتقسیط کہا جاتا ہے، اس کی تفصیل بعد میں آئے گی ان شاء اللہ۔ واضح رہے کہ بیع حالی کی ایک صورت بیع الغائب بالناجز ہے، کہ مثلا مشتری گھڑی خریدتا ہے مگر اتفاق سے وہ پیسے گھر میں بھول آتا ہے یا اس سے چوری یا گم ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں یہ بیع حالی ہوگی اور بائع فی الفور رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کرسکتا ہے مگر مشتری کو کہتا ہے کہ خیر کوئی بات نہیں بعد میں ادائیگی کردینا، تو اس سے یہ بیع مؤجل نہیں ہوجاتی بلکہ بیع حالی ہی رہتی ہے۔ ادھار خرید فروخت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو باقاعدہ طور پر لکھا جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بعد میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہوگی اور دونوں کے درمیان جھگڑا نہیں آئے گا، جیسا کہ یہ حکم قرآن پاک کے آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے:

يأأيها الذين ءامنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه وليكتب بينكم كاتب بالعدل..... (سورة البقرة آیت 282)

البيع: مبادلة مال بمال ويكون منعقدا وغير منعقد. البيع المنعقد هو البيع الذي ينعقد على الوجه المذكور وينقسم إلى صحيح ، وفاسد ،ونافذ، وموقوف. البيع غير المنعقد هو البيع الباطل.البيع الصحيح هو البيع الجائز

وهو البيع المشروع أصلا ووصفا. البيع الفاسد هو المشروع أصلا لا وصفا يعني أنه يكون صحيحا باعتبار ذاته فاسدا باعتبار بعض أوصافه الخارجة .البيع الباطل ما لا يصح أصلا يعني أنه لا يكون مشروعا أصلا. البيع الموقوف بيع يتعلق به حق الغير كبيع الفضولي. الفضولي: هو من يتصرف بحق الغير بدون إذن شرعي .البيع النافذ بيع لا يتعلق به حق الغير وهو ينقسم إلى لازم وغير لازمالبيع اللازم هو البيع النافذ العاري عن الخيارات (البيع غير اللازم هو البيع النافذ الذي فيه أحد الخيارات) (البيع باعتبار المبيع ينقسم إلى أربعة أقسام: القسم الأول: بيع المال بالثمن وبما أن هذا القسم أشهر البيوع يسمى بالبيع. القسم الثاني: هو الصرف. والقسم الثالث: بيع المقايضة. والقسم الرابع: السلم) . (الصرف بيع النقد بالنقد) (بيع المقايضة بيع العين بالعين أي مبادلة مال بمال غير النقدين) (بيع السلم مؤجل بمعجل) النقود جمع نقد وهو عبارة عن الذهب والفضة. العددي والمعدود هو ما يعد۔المبيع: ما يباع وهو العين التي تتعين في البيع وهو المقصود الأصلي من البيع ; لأن الانتفاع إنما يكون بالأعيان ، والأثمان وسيلة للمبادلة۔الثمن ما يكون بدلا للمبيع ويتعلق بالذمة. الثمن المسمى هو الثمن الذي يسميه ويعينه العاقدان وقت البيع بالتراضي سواء كان مطابقا للقيمة الحقيقية أو ناقصا عنها أو زائدا عليها. القيمة هي الثمن الحقيقي للشيء المثمن الشيء الذي يباع بالثمن التأجيل: تعليق الدين وتأخيره إلى وقت معين. التقسيط تأجيل أداء الدين مفرقا إلى أوقات متعددة معينة. البائع: هو من يبيع المشتري هو من يشترى المتبايعان هما البائع والمشتري ويسميان عاقدين أيضا.[1]

ادھار خرید فروخت کی حکمت:

کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو کسی چیز کی فورا ضرورت ہوتی ہے مگر کئی وجوہات کی بناء پر وہ اس کی نقد ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتا،ایسی صورت میں اگر اس کو بیع کی اجازت نہ دی جائے تو حرج اور تنگی لازم آئے گی، جبکہ شریعت کا کسی کو تنگی میں ڈالنا مقصود نہیں۔قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مبیع اور ثمن دونوں ایک ساتھ ہوں جس طرح کہ ملکیت ایک ساتھ لازم آتی ہے، مگر اسی مصلحت کی خاطر کہ مدت کے اندر اندر مشتری ثمن کی ادائیگی پر قادر ہوجائے گا،ادھار پر خرید فروخت کو جائز کیا گیا ہے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"ومنها" شرط الأجل في المبيع العين والثمن العين وهو أن يضرب لتسليمها أجل ؛ لأن القياس يأبى جواز التأجيل أصلا ؛ لأنه تغيير مقتضى العقد ؛ لأنه عقد معاوضة تمليك بتمليك وتسليم بتسليم والتأجيل ينفي

(1) مجلۃ الاحکام العدلیہ

وجوب التسليم للحال فكان مغيرا مقتضى العقد إلا أنه شرط نظر لصاحب الأجل لضرورة العدم ترفيها له وتمكينا من اكتساب الثمن في المدة المضروبة ولا ضرورة في الأعيان فبقي التأجيل فيها تغييرا محضا لمقتضى العقد فيوجب فساد العقد۔[1]

بخاری شریف کی حدیث سے بھی بیع مؤجل کا جواز ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہیں:

"عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم اشترى طعاما من يهودي إلى أجل ورهنه درعا من حديد."

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے خوراک ادھار خریدا اور لوہے کی زرہ بطور رہن رکھی۔

ادھار خرید فروخت (Credit Sale) کی شرائط:

بہر حال ادھار پر خرید فروخت کے لیے چند شرائط ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1) ادائیگی کی مدت (Payment Date) معلوم ہو:

بائع اور مشتری اگر ادھار پر خرید فروخت کرنا چاہیں تو سب سے پہلے ضروری ہے کہ دونوں کا ایک مقررہ تاریخ پر اتفاق ہو جائے، اگر اس طرح نہ ہو گا تو دونوں کے درمیان اختلاف آئے گا جو کہ بات باہمی جھگڑے تک جاسکتی ہے، لہٰذا سب سے پہلے تاریخ مقرر کرنا ضروری ہے۔ اگر دونوں نے ادھار پر اتفاق کر لیا مگر تاریخ مقرر نہ کی تو اس کو مہینہ کی طرف لوٹایا جائے گا، یعنی ایک مہینے تک اس کی ادائیگی کرنا ضروری ہو گی اور اگر بائع اور مشتری کے درمیان مدت مقرر کرنے میں اختلاف ہو جائے، مثلاً بائع کہتا ہے کہ رقم کی ادائیگی فی الفور تھی اور مشتری کہتا ہے کہ خاص مدت تک ادائیگی کرنی ہے تو اس صورت میں بائع کا قول معتبر ہو گا اور رقم کی ادائیگی فی الفور ہو گی۔ اگر اختلاف مدت کی مقدار میں ہو مثلاً بائع کہتا ہے کہ ایک ماہ کے اندر اندر ادائیگی کرنی ہو گی اور مشتری کہتا ہے کہ مدت دو ماہ تھی تو اس صورت میں جس نے کم مدت بیان کی ہو تو اس کے قول کو اعتبار ہو گا، لہٰذا مذکورہ مثال میں بائع کا قول معتبر ہو گا۔ واضح رہے کہ مذکورہ دونوں صورتیں تب ہیں جب کسی کے پاس بھی گواہ (Evidence) نہ ہوں، اگر دونوں کے پاس اپنے دعوی پر گواہ موجود ہوں تو اس صورت میں مشتری کے گواہ کو ترجیح حاصل ہو گی اور اس کا قول معتبر ہو گا۔ اگر اختلاف مدت کے گزرنے میں ہو مثلاً بائع کہتا ہو کہ مدت گزر گئی ہے اور مشتری کہتا ہو کہ ابھی وقت باقی ہے، تو اس صورت میں چاہے مشتری کے ساتھ گواہ ہوں یا نہ ہوں تو مشتری کے گواہ اور قول کو ترجیح حاصل ہو گی۔ اگر بائع اور مشتری میں کوئی فوت ہو جائے، تو اگر بائع فوت ہوا ہو تو مدت تک کی ادائیگی متاثر نہ ہو گی اور اپنے وقت پر

(1) بدائع الصنائع ج4 ص 384

ادائیگی کرنی ہوگی لیکن اگر مشتری فوت ہوا ہو تو مدت تک کی ادائیگی متاثر ہوگی اور مدت ختم ہو جائے گی اور فی الفور ادائیگی کرنی ہوگی، لہٰذا میت کے ترکہ (Legacy) سے ورثاء کو ادائیگی کرنی ہوگی اور اگر اس کے باوجود بائع ورثاء کو بھی مدت دے دیں تو یہ اس کی طرف سے احسان ہوگا۔

"(وصح بثمن حال) وهو الأصل (ومؤجل إلى معلوم) لئلا يفضي إلى النزاع ولو باع مؤجلا صرف لشهر به يفتى ولو اختلفا في الأجل فالقول لنافيه إلا في السلم به يفتى ولو في قدره فللمدعي الأقل والبينة فيهما للمشتري ولو في مضيه فالقول والبينة للمشتري ويبطل الأجل بموت المديون لا الدائن. (قوله: وهو الأصل) ؛ لأن الحلول مقتضى العقد وموجبه والأجل لا يثبت إلا بالشرط بحر عن السراج. (قوله: ولو باع مؤجلا) أي بلا بيان مدة بأن قال: بعتك بدرهم مؤجل. (قوله: صرف لشهر) كأنه؛ لأنه المعهود في الشرع في السلم واليمين في ليقضين دينه آجلا بحر. (قوله: فلمدعي الأقل) لإنكاره الزيادة ح. (قوله: والبينة فيهما) أي في المسألتين للمشتري؛ لأنه يثبت خلاف الظاهر والبينات للإثبات ح. (قوله: فالقول والبينة للمشتري) ؛ لأنهما لما اتفقا على الأجل فالأصل بقاؤه فكان القول للمشتري في عدم مضيه ولأنه منكر توجه المطالبة وهذا ظاهر وأما تقديم بينته على بينة البائع فعلله في البحر عن الجوهرة بأن البينة مقدمة على الدعوى اهـ. (قوله: ويبطل الأجل بموت المديون) ؛ لأن فائدة التأجيل أن يتجر فيؤدي الثمن من نماء المال فإذا مات من له الأجل تعين المتروك لقضاء الدين، فلا يفيد التأجيل بحر عن شرح المجمع، وصرح قبله بأنه لو مات البائع لا يبطل الأجل۔[1]

پس اگر مدت مجہول ہو تو بیع فاسد(Invalid Sale) ہوگی چاہے جہالت بڑی ہو جہالت بڑی ہونے کی مثال یہ ہے کہ اگر ہوا چلی تو رقم ادا کروں گا، یا بارش ہوئی یا زید جب آئے گا، یا جب زید مرے گا تو اس وقت ادائیگی کروں گا، ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، جہالت چھوٹی ہونے کی مثال یہ ہے کہ فصل کی کٹائی کے وقت ادائیگی ہوگی، یا عیسائیوں کے روزے کے وقت، یا نوروز کے دن ادائیگی ہوگی، ان تمام صورتوں میں بھی بیع فاسد ہوگی، کیونکہ پہلی صورت میں اس چیز کے ہونے اور نہ ہونے میں دھوکہ ہے جبکہ دوسری صورت آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے جو بات باہمی جھگڑے تک جاسکتی ہے لہٰذا ان صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

(منها) أن يكون الأجل معلوما في بيع فيه أجل فإن كان مجهولا يفسد البيع سواء كانت الجهالة متفاحشة : كهبوب الريح ، ومطر السماء ، وقدوم فلان ، وموته ، والميسرة ، ونحو ذلك ، أو متقاربة : كالحصاد ، والدياس ، والنيروز ، والمهرجان ، وقدوم الحاج ، وخروجهم ، والجذاذ ، والجزار ، والقطاف ،

(1) الدر المختار مع رد المحتار ج 7 ص 49

والميلاد، وصوم النصارى، وفطرهم قبل دخولهم في صومهم، ونحو ذلك؛ لأن الأول فيه غرر الوجود، والعدم، والنوع الثاني مما يتقدم، ويتأخر فيؤدي إلى المنازعة فيوجب فساد البيع،[1]

اگر مدت ایسی مقرر کی کہ جس میں جہالت ہو مگر جہالت چھوٹی ہو اور پھر مدت گزرنے سے پہلے پہلے مشتری نے فساد کی وجہ سے مدت کو ساقط کردیا تو بیع صحیح ہوجائے گی لیکن اگر مدت کو ساقط نہ کیا یہاں تک کہ وہ مدت آگئی اور پھر مدت کو ساقط کر دیا تو اس صورت میں بیع صحیح نہ ہوگی۔ اگر جہالت بڑی ہو پھر مشتری نے جدا ہونے سے پہلے مدت کو ختم کر دیا اور رقم ادا کر دی تو بیع صحیح ہو جائے گی اور اگر جدا ہونے سے پہلے مدت کو ساقط نہ کیا یہاں تک کہ جدا ہوگئے تو بیع صحیح نہ ہوگی۔

ولو باع العين بثمن دين إلى أجل مجهول جهالة متقاربة، ثم أبطل المشتري الأجل قبل محله، وقبل أن يفسخ العقد بينهما لأجل الفساد جاز العقد عند أصحابنا الثلاثة .وعند زفر لا يجوز، ولو لم يبطل حتى حل الأجل، وأخذ الناس في الحصاد، ثم أبطل لا يجوز العقد بالإجماع، وإن كانت الجهالة متفاحشة فأبطل المشتري الأجل قبل الافتراق، ونقد الثمن جاز البيع عندنا ، وعند زفر لا يجوز، ولو افترقا قبل الإبطال لا يجوز بالإجماع۔[1]

اسی طرح اگر بائع نے خیار شرط (Option Condition) کے ساتھ کسی چیز کو بیچا مگر خیار کے لیے وقت معلوم نہ کیا، مثلا یوں کہا کہ مجھے ہمیشہ خیار حاصل ہوگا یا دن یاد کیے مگر وقت کو ذکر نہ کیا تو اس صورت میں بھی بیع فاسد ہوگی۔ پھر اگر خیار والے (Option Holder) نے تین دن کے اندر اندر بیع ختم کرنے سے پہلے خیار کو ختم کر دیا تو بیع صحیح ہوجائے گی جبکہ اگر تین دن کے بعد خیار کو ختم کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک بیع صحیح نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہوگی۔ اگر وقت مقرر کیا مثلا چار دن تک خیار لیا یا ایک ماہ تک خیار مقرر کیا پھر تین دن کے اندر اندر اور بیع فسخ کرنے سے پہلے خیار کو ختم کر دیا تو بیع صحیح ہوگی اور اگر تین دن گزر گئے پھر خیار والے (Option Holder) نے خیار کو ختم کر دیا تو بیع صحیح نہ ہوگی۔

وعلى هذا إذا باع بشرط الخيار، ولم يوقت للخيار وقتا معلوما بأن قال: أبدا أو أياما، أو لم يذكر الوقت حتى فسد البيع بالإجماع، ثم إن صاحب الخيار أبطل خياره قبل مضي ثلاثة أيام قبل أن يفسد العقد بينهما جاز البيع عندنا خلافا لزفر رحمه الله، وإن أبطل بعد مضي الأيام الثلاثة لا يجوز العقد عند أبي حنيفة رحمه الله،وزفر، وعند أبي يوسف، ومحمد يجوز، وإن وقت وقتا معلوما بأن قال: أربعة أيام، أو شهر فأبطل الخيار قبل مضي ثلاثة أيام، وقبل أن يفسخ العقد بينهما لأجل الفساد جاز عندنا . وعند زفر لا يجوز،

(1) بدائع الصنائع ج 4 ص 391 ط حقانیہ

وعندهما هذا الخيار جائز ، ولو مضت الأيام الثلاثة ، ثم أبطل صاحب الخيار خياره لا يجوز البيع بالإجماع [8]

اگر کسی نے کوئی چیز ادھار پر خریدی اور کہا کہ ادائیگی دوسرے شہر میں کروں گا لیکن ادھار کی مدت مقرر نہ کی تو بیع فاسد ہو گی، چاہے رقم اٹھانے میں مشقت ہو یا نہ ہو۔ اگر ادھار کی مدت مقرر کی تھی اور دوسرے شہر میں ادا کرنے کا کہا تو مدت اگر اتنی مقرر کی تھی کہ اس مدت کے اندر اندر اس جگہ کو پہنچنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بیع فاسد ہو گی، کیونکہ جب اس جگہ تک رسائی ممکن نہ ہو تو گویا ایسا ہوا کہ مدت سرے سے مقرر ہی نہ تھی۔ اور اگر ایسی مدت مقرر کی تھی کہ اس مدت کے اندر اندر اس جگہ تک رسائی ممکن ہو تو بیع صحیح ہو گی اور مدت مقرر کرنا بھی صحیح ہو گا۔ پس اگر مدت ختم ہو گئی اور بائع نے شرط کی گئی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ رقم کی سپردگی کا مطالبہ کیا تو ایسی صورت میں رقم اٹھانے میں مشقت نہ ہو تو مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ رقم کی ادائیگی اس شہر میں کرے جس شہر میں بائع نے مطالبہ کیا ہے اور اگر ثمن (Price) اٹھانے میں مشقت ہو تو مشتری کو مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ شرط کی گئی جگہ میں ادائیگی کرنی ہو گی۔ اسی طرح اگر مشتری نے شرط کی گئی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ پر حوالہ کیا اور بائع نے شرط کی گئی جگہ پر حوالگی کا مطالبہ کیا تو اس میں وہی اوپر والی تفصیل ہے اور اگر ثمن دین نہ ہو بلکہ عین ہو اور دوسرے شہر میں ادائیگی کا مطالبہ کیا تو بیع فاسد ہے چاہے مدت مقرر کی ہو یا نہ ہو۔

ولو اشترى عينا بثمن دين على أن يسلم إليه الثمن في مصر آخر فهذا لا يخلو إما أن يكون الثمن مما حمل له ، ولا مؤنة ، وإما أن يكون مما له حمل ، ومؤنة ، وعلى كل ذلك لا يخلو من أن ضرب له الأجل أو لم يضرب فإن لم يضرب له الأجل فالبيع فاسد سواء كان الثمن له حمل ، ومؤنة أو لم يكن ؛ لأنه إذا لم يضرب له الأجل كان شرط التسليم في موضع على سبيل التأجيل ، وأنه أجل مجهول فيوجب فساد العقد. وإن ضرب له أجلا على أن يسلم إليه الثمن بعد محل الأجل في مصر آخر فإن كان الأجل مقدار ما لا يمكن الوصول إلى الموضع المشروط في قدر تلك المدة فالبيع فاسد أيضا ؛ لأنه إذا كان لا يمكن الوصول فيه إلى الموضع المشروط صار كأن لم يضرب ، وإن كان ضرب أجلا يمكن الوصول فيه إلى المكان المشروط فالبيع صحيح ، والتأجيل صحيح ؛ لأنه إذا ضرب له أجلا يمكن الوصول فيه إلى ذلك المكان علم أن شرط التسليم في ذلك المكان لم يكن على سبيل التأجيل ، بل على تخصيص ذلك المكان بالتسليم فيه. فإذا حل الأجل وطالبه البائع بالثمن في غير المكان المشروط ينظر إن كان الثمن مما ليس له حمل ، ولا مؤنة يجبر المشتري على تسليمه في أي موضع طالبه البائع بعد حل الأجل ، وإن كان الثمن له حمل ، ومؤنة لا يجبر على تسليمه إلا في الموضع المشروط ، وكذلك لو أراد المشتري أن يسلمه في غير المكان المشروط ، وأبى البائع ذلك إلا في الموضع المشروط

فهو على هذا التفصيل ، ولو كان الثمن عينا فشرط تسليمه في مصر آخر فالبيع فاسد سواء شرط الأجل ، أو لم يشرط ؛ لأن فيه غررا [1]

اگر کسی چیز کو بیع حالی کے ساتھ بیچ دی پھر اس کو نزدیک مدت تک مؤخر کیا، تو یہ تاخیر جائز ہے اور اگر فحش مدت تک مؤخر کیا تو یہ جائز نہیں اور دین اپنی حالت پر برقرار رہے گا دونوں صورتوں میں چاہے جہالت فاحشہ ہو یا قریبی ہو۔

ولو باع بثمن حال ، ثم أخر إلى الآجال المتقاربة جاز التأخير ، ولو أخر إلى الآجال المتفاحشة لم يجز ، والدين على حاله حال فرق بين التأجيل ، والتأخير ،[2]

اسی طرح علامہ حصکفی نے بھی ذکر کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"[فروع] باع بحال ثم أجله أجلا معلوما أو مجهولا كنيروز وحصاد صار مؤجلا منية. [تنبيه] علم مما مر أن الآجال على ضربين: معلومة، ومجهولة، والمجهولة على ضربين: متقاربة كالحصاد ومتفاوتة: كهبوب الريح، فالثمن العين يفسد بالتأجيل، ولو معلوما، والدين لا يجوز لمجهول، لكن لو جهالته متقاربة وأبطله المشتري قبل محله وقبل فسخه للفساد انقلب جائزا لا لو بعد مضيه أما لو متفاوتة وأبطله المشتري قبل التفرق انقلب جائزا كما في البحر عن السراج، هذا وذكر الشارح في البيع الفاسد عن العيني ما يوهم أن الأخير لا ينقلب جائزا وليس كذلك فافهم. ونقل الشارح هناك تبعا للمصنف عن ابن كمال وابن ملك أن إبطاله قبل التفرق شرط في المجهول جهالة متقاربة كالحصاد وهو خطأ."[3]

بائع اور مشتری نے ادھار پر معاملہ کیا اور ثمن ادا کرنے کی مدت مقرر کی مگر جب ادائیگی کی مدت آئی تو ثمن کی قیمت میں زیادتی یا کمی آئی تو کیا قیمت کی کمی اور زیادتی کو اعتبار حاصل ہے یا نہیں؟ یعنی اس صورت میں مشتری کون سی قیمت ادا کرے گا، خرید و فروخت والے دن کی قیمت کے اعتبار سے یا ادا کرنے والے دن کے اعتبار سے؟ مثلاً خرید و فروخت کے دن ایک ڈالر 100 روپے کا تھا جبکہ ادائیگی کے دن ایک ڈالر 140 روپے کا، تو اس صورت میں مفتی بہ قول کے مطابق قیمت کی کمی اور زیادتی کو کوئی اعتبار حاصل نہیں، بلکہ خرید و فروخت کے دن جتنی رقم مقرر ہوئی تھی اتنی ہی رقم ادا کرے گا چاہے ثمن میں زیادتی آئے یا کمی۔

" أما إذا غلت قيمتها أو انتقضت فالبيع على حاله ولا يتخير المشتري، ويطالب بالنقد بذلك العيار الذي كان وقت البيع كذا في فتح القدير. وفي البزازية عن المنتقى غلت الفلوس أو رخصت فعند الإمام الأول والثاني، أولا ليس عليه غيرها، وقال: الثاني ثانيا عليه قيمتها من الدراهم يوم البيع

(1) بدائع الصنائع ج 4 ص 394 ط حقانیہ

(2) بدائع الصنائع ج 4 ص 393 ط حقان

والقبض وعليه الفتوى، وهكذا في الذخيرة والخلاصة عن المنتقى، ونقله في البحر وأقره، فحيث صرح بأن الفتوى عليه في كثير من المعتبرات، فيجب أن يعول عليه إفتاء وقضاء، ولم أر من جعل الفتوى على قول الإمام هذا خلاصة ما ذكره المصنف - رحمه الله تعالى - في رسالته: بذل المجهود في مسألة تغير النقود وفي الذخيرة عن المنتقى إذا غلت الفلوس قبل القبض أو رخصت. قال: أبو يوسف، قولي وقول أبي حنيفة في ذلك سواء وليس له غيرها، ثم رجع أبو يوسف وقال: عليه قيمتها من الدراهم، يوم وقع البيع ويوم وقع القبض. اهـ. وقوله: يوم وقع البيع أي في صورة البيع، وقوله: ويوم وقع القبض أي في صورة القرض كما نبه عليه في النهر في باب الصرف."[1(1)]

اگر بائع اور مشتری نے ادھار خرید وفروخت پر معاملہ کیا اور مشتری نے ثمن کی ادائیگی نہ کی یہاں تک کہ بازار میں کساد بازاری آگئی اور لوگوں نے اس کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو اس صورت میں اگر مبیع (Outsold) مشتری کے ساتھ صحیح سلامت موجود تھا تو مشتری اس چیز کو بائع کے حوالہ کرے گا، اگر وہ چیز مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہو جائے تو وہ چیز اگر مثلی ہو تو اس کے مثل کو بائع کے حوالہ کرے گا اور اگر وہ چیز قیمی ہو تو اس کی قیمت ادا کرے گا۔ اگر بائع نے وہ چیز مشتری کو حوالہ نہ کی تھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع سرے سے جائز ہی نہ ہوئی جبکہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بیع جائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد اس ثمن کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہو جائے اور لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرنا شروع کر دیں، بہر حال اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع کے دن والی قیمت معتبر ہو گی، جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک جس دن لوگوں نے اس کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا، اس دن کی قیمت معتبر ہو گی۔

"أعلم أنه إذا اشترى بالدراهم التي غلب غشها أو بالفلوس ولم يسلمها للبائع ثم كسدت بطل البيع والانقطاع عن أيدي الناس كالكساد ويجب على المشتري رد المبيع لو قائما ومثله أو قيمته لو هالكا، إن لم يكن مقبوضا فلا حكم لهذا البيع أصلا وهذا عنده وعندهما لا يبطل البيع؛ لأن المتعذر التسليم بعد الكساد، وذلك لا يوجب الفساد لاحتمال الزوال بالرواج لكن عند أبي يوسف تجب قيمته يوم البيع، وعند محمد يوم الكساد وهو آخر ما تعامل الناس بها وفي الذخيرة الفتوى على قول أبي يوسف، وفي المحيط والتتمة والحقائق وبقول محمد يفتى رفقا بالناس اهـ. والكساد: أن تترك المعاملة بها في جميع البلاد، فلو في بعضها لا يبطل لكنه تتعيب إذا لم ترج في بلدهم، فيتخير البائع إن شاء أخذه وإن شاء أخذ قيمته. وحد الانقطاع أن لا يوجد في السوق وإن وجد في يد الصيارفة والبيوت هكذا في الهداية والانقطاع كالكساد كما في كثير من الكتب لكن قال: في المضمرات فإن

[1] (1) شامیہ ج 7 ص 53 ط حقانیہ

انقطع ذلك فعليه من الذهب والفضة قيمته في آخر يوم انقطع هو المختار اهـ."(1)[1]

مدت اجل(Credit Period) کی ابتداء:

بائع اور مشتری نے ادھار خرید فروخت پر معاملہ کیا، ثمن کی ادائیگی کے لیے ایک مدت مقرر کی، اب اس ادائیگی کی مدت کس وقت سے شروع ہوگی؟ تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر ادائیگی کا وقت مقرر ہو مثلا جب یکم مارچ آئے گا تب ادائیگی کروں گا تو مدت کی ابتداء بیع کا معاملہ ہونے کے وقت سے ہوگی چاہے، بائع مبیع حوالہ کرنے سے روکتا ہو یا نہ روکتا ہو اور اگر وقت تو ذکر کیا ہو مگر وہ وقت معروف ومشہور نہ ہو، جیسے کہ ایک ماہ یا ایک سال ذکر کیا ہو مگر معین نہ کیا ہو تو اس صورت میں اگر بائع مبیع حوالہ کرنے سے روکتا نہ ہو تو مدت کی ابتداء بیع کا معاملہ ہونے کے وقت سے شروع ہوگا اور اگر بائع مبیع حوالہ کرنے سے روکتا ہو تو مدت کی ابتداء تب سے شروع ہوگی جب بائع مبیع کو حوالہ کردے۔ اگر اس میں خیار شرط ہو تو خیار شرط کے ختم ہونے کے بعد مدت کی ابتداء ہوگی۔ لہٰذا اگر مشتری کو غیر معین تاریخ تک ادھار پر معاملہ ہوا تھا اور بائع نے مبیع حوالہ کرنے سے روکا بھی ہو تو مشتری کو اتنی مقدار میں ایک اور مقرر تاریخ دی جائے گی تاکہ مشتری اس مدت کے اندر رقم کی ادائیگی پر قادر ہوجائے کیونکہ اس دوران بائع کی طرف سے کوتاہی آئی ہے تاکہ اس کا ازالہ کیا جاسکے اور اگر تاریخ معین ہو یا بائع مبیع حوالہ کرنے سے روکتا نہ ہو تو اس صورت میں مشتری کو دوسری تاریخ نہیں دی جائے گی کیونکہ اس دوران کوتاہی خود مشتری کی طرف سے آئی ہے۔

"(و) الأجل (ابتداؤه من وقت التسليم) ولو فيه خيار فمذ سقوط الخيار عنده خانية (وللمشتري) بثمن مؤجل إلى سنة منكرة (أجل سنة ثانية) مذ تسلم (لمنع البائع السلعة) عن المشتري (سنة الأجل) المنكرة تحصيلا لفائدة التأجيل فلو معينة أو لم يمنع البائع من التسليم لا اتفاقا لأن التقصير منه."(1)[2]

اور جیسے کہ شرح مجلۃ الاحکام علی حیدر میں ہے:

" تعتبر ابتداء مدة الأجل والقسط المذكورين في عقد البيع من وقت تسليم المبيع مثلا لو بيع متاع على أن ثمنه مؤجل إلى سنة فحبسه البائع عنده سنة ثم سلمه للمشتري اعتبر أول السنة التي هي الأجل من يوم التسليم فليس للبائع حينئذ أن يطالبه بالثمن إلى مضي سنة من وقت التسليم وسنتين من حين العقد .هذا يكون : أولا : إذا لم يخصص الأجل بوقت مخصوص .ثانيا : إذا كان عدم تسليم المبيع ناشئا عن حبس البائع للمبيع ومنعه .ثالثا : إذا كان البيع لازما أي ليس فيها خيار الشرط فإذا وجدت هذه الشروط الثلاثة

[1] (1) شامیہ ج 7 ص 52 ط حقانیہ

[2] (1) شامیہ ج 7 ص 56 ط حقانیہ (2) شرح مجلہ لعلی حیدر ج 2 ط حقانیہ

ابتداء مدة الأجل منذ تسليم المبيع لأن فائدة التأجيل تسهيل التصرف في المبيع للمشتري ليؤدي الثمن من ربحه فللحصول على هذه الفائدة يجب اعتبار مدة الأجل منذ تسليم المبيع ."[(2)]

بہرحال مدت تک ادائیگی مشتری کا حق ہے اس سے پہلے بائع مشتری سے ثمن کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی ثمن کے حصول کے لیے مبیع کو روک سکتا ہے، جس طرح کہ بیع حالی میں بائع یہ حق رکھتا ہے کہ وہ ثمن کے حصول کے لیے مبیع کو اپنے ساتھ روک دے۔ البتہ مشتری اس طرح کر سکتا ہے کہ پہلے وہ مبیع پر قبضہ کرلے اور اس کے بعد مبیع کو مشتری کے ساتھ بطور رہن رکھ دے۔ اسی طرح اگر ثمن کی ادائیگی ایک خاص مدت تک ہو اور اس دوران وہ مدت گزر جائے اور مشتری نے مبیع پر قبضہ بھی نہ کیا ہو تو مشتری کے لیے جائز ہے کہ وہ سب سے پہلے مبیع کو قبضہ کرلے اور اس کے بعد ثمن کی ادائیگی کرے اور یہاں پر بھی بائع کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مبیع کو روک لے، کیونکہ اس نے اپنے حق کو خود چھوڑ دیا لہٰذا یہ پھر واپس نہیں آتی۔

جیسا کہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

" ومنها أن للبائع حق حبس المبيع حتى يقبض الثمن إذا كان الثمن حالا، وليس للمشتري أن يمتنع من تسليم الثمن إلى البائع حتى يقبض المبيع إذا كان المبيع حاضرا لأن البيع عقد معاوضة،"[1(1)]

اور جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"(قوله: إن أحضر البائع السلعة) شرط لإلزام المشتري بتسليم الثمن أولا والشرط أيضا كون الثمن حالا، وأن لا يكون في البيع خيار للمشتري، فلا يطالب بالثمن قبل حلول الأجل ولا قبل سقوط الخيار. وأفاد أن للبائع حبس المبيع حتى يستوفي كل الثمن۔"[(2)]

اور جیسا کہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

" في البيع بالثمن الحال أعني غير المؤجل للبائع أن يحبس المبيع إلى أن يؤدي المشتري جميع الثمن.۔۔۔ في بيع النسيئة ليس للبائع حق حبس المبيع بل عليه أن يسلم المبيع إلى المشتري على أن يقبض الثمن وقت حلول الأجل."[(3)]

2) مبیع (Outsold) کی شرائط:

ادھار پر جو چیز بیچی جائے اس کے لیے بھی چند مخصوص شرائط ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ مبیع ایسی چیز نہ ہو جس میں قدر مع الجنس ہو، اگر ہوگی تو ادھار پر اس چیز کی فروخت جائز نہ ہوگی۔

قدر سے مراد کیلی اور وزنی ہونا ہے، یعنی وہ چیز مخصوص پیمانے پر ناپی اور وزن کر کے نہ بیچی جاتی ہو، اور خلاف جنس بھی ہو لہٰذا جن میں قدر مع الجنس نہ ہوگی تو اس کی بیع ادھار پر جائز ہوگی۔ مثلاً کپڑے کو

---

[1] (1) بدائع الصنائع ج 4 ص 434 ط حقانیہ (2) شامیہ ج 7 ص 94 ط حقانیہ (3) مجلہ الاحکام ص 54 ط قدیمی

ادھار فروخت کیا دراہم یا دنانیر کے عوض تو اس کی بیع جائز ہو گی، کیونکہ دونوں خلاف جنس بھی ہیں اور دونوں کیلی ہیں اور نہ ہی وزنی۔ اگر کپڑے کو کپڑے کے عوض ادھار پر فروخت کیا تو جائز نہ ہو گا، کیونکہ دونوں ہم جنس ہیں اسی طرح اگر گندم کو گندم کے عوض فروخت کیا تو ناجائز ہو گا کیونکہ دونوں ہم جنس بھی ہیں اور وزنی بھی ہیں، اسی طرح اگر گندم کو جو کے عوض ادھار پر فروخت کیا پھر بھی اس کی بیع جائز نہ ہو گی اگرچہ دونوں ہم جنس نہیں مگر ایک کیلی اور دوسرا وزنی ہے یعنی دونوں قدر میں شریک ہیں، لہٰذا ان کی بیع جائز نہ ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ ادھار پر خرید فروخت کے جواز کے لیے تینوں چیزوں کی نفی ضروری ہیں، یعنی ہم جنس بھی نہ ہو اور اسی طرح کیلی ہو اور نہ ہی وزنی۔ اور کسی ایک کی موجودگی سے ادھار خرید فروخت جائز نہ ہو گی۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جو مبیع کیلی یا وزنی ہو وہ ہلاک نہ ہوا ہو، جیسا کہ زید کا اسد پر گندم قرض ہے، جو کہ معاملہ سلم کی صورت میں نہیں ہے۔ اب زید نے اس گندم کو اسد پر ایک ماہ کے مدت تک ادھار پر فروخت کر دیا تو یہ بیع جائز نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں بیع الکالی بالکالی لازم آتی ہے جو کہ ناجائز ہے، البتہ اگر مجلس کے اندر اندر مشتری نے ثمن کو ادا کر لیا تو یہ بیع جائز ہو جائے گی۔

" (بخلاف جنسه ولم يجمعهما قدر) لما فيه من ربا النساء .... (قوله: وبخلاف جنسه) عطف على قوله بثمن دين، وفي بعض النسخ " أو " بدل الواو، والأولى أولى؛ لأن الشرط كل منهما لا أحدهما كما أفاده ط وقوله " ولم يجمعهما قدر " جملة حالية والقدر كيل أو وزن، وذلك كبيع ثوب بدراهم واحترز عما لو كان بجنسه وجمعهما قدر ككر بر بمثله أو كان بجنسه، ولم يجمعهما قدر كثوب هروي بمثله، أو كان بخلاف جنسه وجمعهما قدر ككر بر بكر شعير فإنه لا يصح التأجيل لما فيها من ربا النساء، فقول الشارح: لما فيه من ربا النساء بالفتح أي التأخير تعليل لمفهوم المتن، وهو عدم صحة التأجيل في الصور الثلاثة أفاده ح. قلت: بقي شرط آخر وهو أن لا يكون المبيع الكيلي أو الوزني هالكا، فقد ذكر الخير الرملي أول البيوع عن جواهر الفتاوى: له على آخر حنطة غير السلم فباعها منه بثمن معلوم إلى شهر لا يجوز؛ لأنه بيع الكالئ بالكالئ وقد نهينا عنه، وإن باعها ممن عليه ونقد المشتري الثمن في المجلس جاز فيكون دينا بعين. اهـ."[1](1)

مسئلہ ضع و تعجل:

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیع مؤجل میں بائع مشتری سے کہتا ہے کہ میرے آپ کے ذمے جو ہزار روپے مبیع کی وجہ سے قرض ہیں اور آپ اس کی ادائیگی ایک ماہ بعد کریں گے، اس میں سو روپے میں آپ کو

[1](1) الدر المختار مع الشامیہ ج 7 ص 55 ط حقانیہ

معاف کرتا ہو اور باقی نو سو مجھے فی الحال ادا کردو، تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے جب مشروط ہو، البتہ اگر پہلے سے مشروط نہ ہو تب یہ کمی جائز ہے۔ اور یہ کمی بائع کی طرف سے تبرع واحسان سمجھا جائے گا۔

"ومما يتعامل به بعض التجار في الدين المؤجلة أنهم يسقطون حصة من الدين بشرط أن يعجل المدين الباقي، مثل أن يكون لزيد على عمرو ألف، فيقول زيد: عجل لي تسعمائة، وأنا أضع عنك مائة، وإن هذه المعاملة معروفة في الفقه الإسلامي باسم " ضع وتعجل ---.ولكن الذي يبدو أن حكم المنع هذا يختص بالديون المؤجلة. أما في الديون الحالة التي لا يكون الأجل فيها مشروطا في العقد، وإنما يتأخر المدين في الأداء لسبب أو لآخر، فالظاهر أنه لا بأس بالصلح على إسقاط بعض الدين بشرط أن يؤدي المدين الدين المتبقي معجلا--.وكذلك المنع من الوضع بالتعجيل في الديون المؤجلة إنما يكون إذا كان الوضع شرطا للتعجيل. أما إذا عجل المدين من غير شرط، جاز للدائن أن يضع عنه بعض دينه تبرعا. وعليه حمل الجصاص رحمه الله الآثار التي تدل على جواز "ضع وتعجل" قال رحمه الله تعالى: (ومن أجاز من السلف إذا قال: عجل لي وأضع عنك، فجائز أن يكون أجازوه إذا لم يجعله شرطا فيه، وذلك بأن يضع عنه بغير شرط، ويعجل الآخر الباقي بغير شرط)"[1(1)]

قسطوں پر خرید و فروخت:

جس طرح ادھار پر خرید و فروخت کرنا جائز ہے اسی طرح قسطوں پر بھی خرید و فروخت جائز ہے، یعنی مشتری بائع سے کہہ دے کہ ہر ماہ میں تمہیں اتنی رقم ادا کروں گا یا ہر ہفتے، تو اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ ادائیگی کی مدت معلوم ہو اور اسی طرح رقم کی مقدار بھی معلوم ہو اور یہ خرید و فروخت کرنا شرعا بھی جائز ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ قسطوں پر خرید و فروخت کے احکام اور اس سے متعلقہ مسائل بھی بیان کیے جائیں ۔ یہ بات واضح ہے کہ نقد کے مقابلے میں ادھار اور قسطوں پر خرید و فروخت پر قیمت زیادہ ہوتی ہے اب ادھار اور قسطوں پر خرید و فروخت میں کتنی مقدار میں اضافہ اور نفع کمایا جاسکتا ہے؟ اس کی مقدار تو شریعت نے مقرر نہیں کی ہے مگر مروت اور اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اضافہ اور نفع بازار اور مارکیٹ ریٹ سے زیادہ نہ ہو۔

"البيع بالتقسيط بيع بثمن مؤجل يدفع إلى البائع في أقساط متفق عليها، فيدفع البائع البضاعة المبيعة إلى المشتري حالّة، ويدفع المشتري الثمن في أقساط مؤجلة، وإن اسم (البيع بالتقسيط) يشمل كل بيع بهذه الصفة سواء كان الثمن المتفق عليه مساويا لسعر السوق، أو أكثر منه، أو أقل، ولكن المعمول به في الغالب أن الثمن في (البيع بالتقسيط) يكون أكثر من سعر

[1] (1) بحوث فی قضایا فقھیہ معاصرۃ ج 1 ص 29 ط دار العلوم کراتشی

تلك البضاعة في السوق، ..... ومن هنا ينشأ السؤال: هل يجوز أن يكون الثمن المؤجل أكثر من الثمن الحال؟ وقد تكلم الفقهاء في هذه المسألة قديما وحديثا، فذهب بعض العلماء إلى عدم جوازه، لكون الزيادة عوضا من الأجل، وهو الربا، أو فيه مشابهة للربا..... أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثون، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد، بشرط أن يبت العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم، وبثمن متفق عيه عند العقد، فأما إذا قال البائع: أبيعك نقدا بكذا ونسيئة بكذا، وافترقا على ذلك، دون أن يتفقا على تحديد واحد من السعرين، فإن مثل هذا البيع لا يجوز، ولكن إذا عين العاقدان أحد الشقين في مجلس العقد، فالبيع جائز."[1(1)]

وکما فی درر الحکام:

"التقسيط تأجيل أداء الدين مفرقا إلى أوقات متعددة معينة ..... يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط الأجل يتعين بكذا سنة أو شهرا أو يوما أو إلى الشهر الفلاني وما أشبه ذلك فإذا عقد البيع على أجل مجهول فسد البيع ؛ لأنه إذا كان الأجل مجهولا فالبائع يطلب الثمن بعد مدة وجيزة ويمتنع المشتري فيكون حصول النزاع من المتوقع بسبب جهالة الأجل۔"[2(2)]

اگر بائع نے مشتری کو کہا کہ اگر آپ نے قسطوں میں سے کسی قسط ادا کرنے میں کوتاہی کی تو بقیہ تمام اقساط آپ کو فی الفور ادا کرنے ہوگے ، اس طرح کی شرط لگانا صحیح ہے اور اس سے مشتری کو بقیہ اقساط فی الفور ادا کرنے ہوگے مثلا ایک چیز کو ہزار روپے کے عوض فروخت کی اور ہر ماہ سو روپے دینا طے ہوا اس میں مشتری نے پانچ اقساط ادا کر دیے مگر چھٹا قسط وقت پر ادا نہ کر سکا تو باقی پانچ اقساط مشتری کو فی الفور ادا کرنے ہوگے۔:

"عليه ألف ثمن جعله ربه نجوما إن أخل بنجم حل الباقي فالأمر كما شرط ملتقط، وهي كثيرة الوقوع."[(2)]

وکما فی درر الحکام:

"إذا اشترط الدائن في الدين المقسط بأنه إذا لم يدفع المدين الأقساط في أوقاتها المضروبة يصبح الدين معجلا فيجب مراعاة الشرط فإذا لم يدفع المدين بالشرط ولم يدفع القسط الأول مثلا عند حلول أجله يصبح الدين جميعه معجلا ."[(3)]

وکما فی قضایا فقهیه معاصرة:

[111](1) بحوث فی قضایا فقھیہ معاصرة ج 1 ص 12 ط دارالعلوم کراتشی

[2] (1) درر الحکام ج 1 ص 54 ط حقانیہ (2) الدر المختار ج 7 ص 52 ط حقانیہ (3) ددر الحکام ج 1 ص 34 ط حقانیہ

"وقد تنص بعض اتفاقيات البيع التقسيط على أن المشتري إذا لم يؤد قسطا من الثمن في موعده المحدد، فإن بقية الأقساط تصير حالة ويجوز للبائع أن يطالب بها في الحال مجموعة. فهل يجوز هذا الشرط؟ وقد ذكرت هذه المسألة في بعض كتب الحنفية، فجاء في خلاصة الفتاوى: (ولو قال: كلما دخل نجم ولم تؤد، فالمال حال، صح، ويصير المال حالا) ---- وإن هذه النصوص الفقهية تدل على جواز مثل هذا الشرط. وحينئذ إذا قصر المشتري في أداء بعض الأقساط عند حلول موعدها جاز للبائع أن يطالبه ببقية الأقساط حالة. ولكن مقتضى ما ذكرناه عن بعض المتأخرين من الحنفية في مسألة المرابحة السابقة أن لا يطالبه من ربح المرابحة إلا بقدر ما مضى من الأيام. فمن أخذ بتلك الفتوى، فليأخذ بها في هذه المسألة أيضا، ومن لم يأخذ بها، كما هو المناسب في رأينا، فإنما يفتي بحلول الثمن بكامله عند التقصير في أداء بعض الأقساط، "[1](4)

کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ بیع مؤجل میں مدیون (مشتری) رقم ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے، تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا تو دیکھا جائے گا اگر مشتری کا بروقت رقم ادا نہ کرنا غربت اور تنگدستی کی وجہ سے ہو تو اس حال میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ مدیون دائن کو مالدار ہونے تک مناسب وقت دے دیں اور اس کے بعد ادائیگی میں زیادت نہ کرے کیونکہ یہ سود میں آتا ہے لیکن اکثر اوقات آج کل یہ ٹال مٹول کرنا غربت کی وجہ سے نہیں ہوتا جیسے کہ آج کل لوگوں میں دیانت اور اخلاق کا فقدان ہے تو اس صورت میں دائن کیا کرے کیونکہ اس کا بھی وقت ضائع ہوتا ہے۔ تو اس کی بہترین صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مدیون (مشتری) عقد کے وقت یہ لکھے اور اپنے اوپر لازم کرے کہ اگر میں نے باوجود قدرت کے بروقت ادائیگی نہ کی تو دین کی ناسبت سے مخصوص رقم میں صدقہ کرونگا اور یہ رقم میں مصرف میں ادا کرونگا پھر اگر مدیون نے بروقت ادائیگی نہ کی تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اس رقم کو ادا کرے اور یہ رقم مصرف کی مملوک نہ ہوگی اور نہ ہی نفع کا کوئی حصہ ہوگا بلکہ یہ مصرف کے پاس امانت ہوگی اور مصرف اس کو خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا۔ اور اس طرح کا التزام شرعا تمام فقہاء کرامؒ کے نزدیک دیانۃ جائز ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک قضاء بھی لازم اور ضروری ہے۔"

وهناك مسألة أخرى تتعلق بالبيع المؤجل، وهي أن المشتري المدين ربما يقصر في أداء دينه عند حلول الأجل، أو في أداء بعض الأقساط في موعدها. فإن كان هذا التقصير من أجل إعساره، فقد بين القرآن الكريم حكمه واضحا، وهو قوله تعالى: {وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة} [البقرة: 280] .يعني: يجب على الدائن في هذه الحال أن يمهله إلى أن يزول إعساره، ويتمكن من أداء دينه، ولا يجوز للدائن أن يضيف إلى دينه شيئا، فإنه ربا

[1] (1) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ ط دارا العلوم کراتشی

صراح، لا شبهة فيه.ولكن التقصير في أداء الدين ربما يكون على وجه المماطلة بدون عذر الإعسار، ولقد نشاهد اليوم أن الناس قد انتقص فيهم الوازع الديني والخلقي، وقد انخفض فيهم مستوى الديانة والأمانة، فلا يحتفل كثير منهم بمسؤوليتهم عن أداء الدين في موعده، فيتضرر الدائن بمماطلته ضررا بينا. وإن مشكلة المماطلة يواجهها اليوم كل دائن، ولكن ما تعانيه المصارف الإسلامية من الأضرار بسبب المماطلة **أكثر وأبشع.**

---والحل الحقيقي لهذه المشكلة ما قدمناه في أول كلامنا في هذا الموضوع، ولكن ذلك إنما يفيد إذا أصبحت المصارف كلها تعمل على أسس شرعية. أما في الظروف الحاضرة التي لا توجد فيها المصارف الإسلامية إلا بعدد قليل، بالنسبة إلى المصارف الربوية التقليدية التي هي مبثوثة في أنحاء العالم كله، فيمكن أن تلجأ المصارف الإسلامية إلى حل مؤقت آخر، وهو أن يلتزم المدين عند توقيعه على اتفاقية المرابحة أو الإجارة بأنه إذا قصر في أداء واجبه المالي، فإنه سوف يتبرع بمبلغ معلوم النسبة من الدين إلى بعض الجهات الخيرية. ويسلم ذلك المبلغ إلى المصرف، ليصرفه بالنيابة عنه إلى تلك الجهات. فإن قصر المدين في الأداء لزمه أداء هذه المبالغ إلى المصرف، ولكن هذه المبالغ لا تكون مملوكة للمصرف، ولا تكون جزءا من دخله أو ربحه، وإنما تكون أمانة عنده للصرف إلى الجهات الخيرية. وإن هذا الاقتراح إنما يفيد للضغط على المدين في أداء الدين في وقته، ومن المرجو أن هذا الضغط يؤثر في سد باب المماطلة أكثر مما يؤثر فيه اقتراح التعويض،---وأما المستند الشرعي لهذا الالتزام، فإن الالتزام بالتبرع جائز، عند جميع الفقهاء، وإن مثل هذا التبرع يلزم في القضاء أيضا عند بعض المالكية. والأصل عند المالكية أن الالتزام إن كان على وجه القربة، فإنه يلزم الملتزم في القضاء باتفاق علمائهم.--- هذا على قول بعض المالكية. أما على أصل الحنفية، فإن الوعد غير لازم في القضاء، لكن صرح فقهاء الحنفية بأن (بعض المواعيد قد تجعل لازمة لحاجة الناس) . (4) فعلى هذا الأساس أرجو أن يكون هناك مجال للقول بلزوم هذا التبرع المقترح، سدا لباب المماطلة،وصيانة لحقوق الناس عن اعتداء المعتدين۔"(1)[1]

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بائع کا مشتری پر اعتماد نہیں ہوتا اور ڈر رہتا ہے کہ کہیں مشتری ثمن ادا نہ کرلے تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔

1) رہن:

[1] (1) بحوث فی قضایا فقھیۃ معاصرة ط دارالعلوم کراتشی

رہن کی صورت یہ ہے کہ مشتری اپنی مملوکات میں سے کسی چیز کو بائع کے حوالہ کردے اور بائع کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس چیز کو اپنے ساتھ روک لے مگر اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ شئ مرہون سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھائے کیونکہ یہ سود کے زمرے میں آتا ہے۔بلکہ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ مشتری ثمن ادا کرنے پر تیار رہے اور اس میں بائع حق بجانب ہوتا ہے کہ جب مشتری ثمن ادا نہ کرسکے تو وہ اس کو بیچ کر اپنا حق وصول کرلے لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس ثمن سے تجاوز کریں جس پر ان دونوں نے عقد کے وقت اتفاق کیا تھا۔اس میں سے جو چیز زیادہ ہوجائے بائع اس اضافی چیز کو مشتری کے حوالہ کردے گا۔:

" أما ضمان التسديد، فيمكن بطريق الرهن، أو بكفالة من الطرف الثالث، وفى الصورة الأولى يرهن المشتري شيئا من ممتلكاته لدى البائع، ويحق للبائع أن يمسكه كضمان للتسديد، بدون أن ينتفع به في صورة من الصور، لأن الانتفاع بالمرهون شعبة من شعب الربا، ولكن يبقى الشيء المرهون بيد البائع لضغط المشتري على الاهتمام بأداء الأقساط في موعدها، وليحق له إذا قصر المشتري في الأداء عند حلول الأجل، أن يبيع الشيء المرهون ويسدد دينه بذلك، ولكن لا يجوز له أن يتجاوز عن الثمن المتفق عليه في العقد، فإن فضل من قيمة الشيء المرهون شيء بعد تسديد الدين رده إلى المشتري الراهن، وكما يجوز رهن الأعيان المملوكة للمشتري كذلك يجوز رهن مستندات الملكية لتلك الأعيان. "(1)[1]

2) مبیع کو روکنا:

دین کے مضبوط کرنے کا دوسرا طریقہ مبیع کو روکنا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں ان میں پہلا طریقہ یہ ہے کہ بائع مبیع کو ثمن کی وصولی کے لیے روکے مگر یہ روکنا مبیع کے طور پر ہو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بطور رہن بائع مبیع کو اپنے ساتھ روکے ۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اول صورت میں اگر مبیع بائع کے ساتھ ہلاک ہوجائے تو وہ ثمن کے بدلے میں ہلاک ہوگا یعنی بیع فسخ ہوجائے گی اور نہ مشتری پر کچھ ہے اور نہ ہی بائع پر ۔اور دوسری صورت میں اگر مبیع ہلاک ہوجائے بائع کے ساتھ بغیر کسی وجہ سے تو اس صورت میں مبیع کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہوگی وہ بائع پر لازم ہوگی اور بیع فسخ نہ ہوگی۔اور اگر مشتری سے ظلم وزیادتی کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہو تو بائع بازاری ریٹ کا ضامن ہوگا۔

ان میں سے پہلا طریقہ ثمن کے حصولیابی کے لیے بالکل ناجائز ہے ، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے اور بیع مؤجل میں جس طرح کہ ہم نے پہلے ذکر کیا مبیع کو روکنا جائز نہیں بلکہ بیع حالی میں یہ جائز ہے۔ اور دوسرا طریقہ کہ بطور رہن مبیع کو بائع کے ساتھ رکا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ کہ مشتری کے قبضہ

[1] (1) بحوث فی قضایا فقھیۃ معاصرۃ ج 1 ص 15 ط دارالعلوم کراتشی

سے پہلے بائع کے ساتھ بطور رہن رکھے تو یہ صورت جائز نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے مشتری مبیع پر اپنا قبضہ لائے اس کے بعد بائع کو بطور رہن حوالہ کردے تو یہ صورت اکثر فقہاء کرام ؒ کے نزدیک جائز ہیں۔:

"وهي أن البائع في البيع المؤجل يمسك المبيع عنده إلى أن يتم التسديد من قبل المشتري، أو إلى أن يتم تسديد بعض الأقساط.وإن إمساك المبيع بيد البائع في هذه الصورة يمكن أن يتصور بطريقتين:الأول: أن يكون على أساس حبس المبيع لاستيفاء الثمن.والثانى: أن يكون بطريق الرهن، والفرق بين الصورتين أن المبيع المحبوس عند البائع مضمون عليه بالثمن، لا بالقيمة، فلو هلك المبيع وهو محبوس عنده، ينفسخ البيع، ولا يكون مضمونا عليه بقيمته السوقية، أما في الرهن، لو هلك عند البائع بغير تعد منه، لا ينفسخ البيع، بل يضمنه المرتهن بأقل من قيمته ومن الدين عند الحنفية وإذا هلك بتعد منه، يضمنه المرتهن بقيمته السوقية، لا بالثمن."
وأما الطريق الثاني، وهو أن يمسك البائع المبيع عنده بصفة كونه رهنا من المشتري بالثمن الواجب في ذمته، فإنه يمكن بطريقين أيضا:الأول: أن يرهنه المشتري قبل أن يقبضه من البائع، فهذا لا يجوز أيضا، لأنه في معنى حبس المبيع عند البائع لاستيفاء الثمن، وذلك لا يجوز في البيوع المؤجلة، كما ذكرنا. والثاني: أن يقبضه المشتري من البائع أولا، ثم يرده إليه بصفة كونه رهنا، فهذا جائز عند أكثر الفقهاء رحمهم الله تعالى، قال الإمام محمد في الجامع الصغير: (ومن اشترى ثوبا بدراهم، فقال للبائع: أمسك هذا الثوب حتى أعطيك الثمن، فالثوب رهن) . ونقله المرغيناني في الهداية، وقال شارحها في الكفاية: (لأن الثوب لما اشتراه وقبضه، كان هو وسائر الأعيان المملوكة سواء في صحة الرهن)" [1(1)]

3) رہن سائل:

ثمن کی حصولی کے لیے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ راہن رہن کو مرتہن کے ساتھ بطور رہن رکھے مگر اس پر مرتہن کا قبضہ نہ دلائے بلکہ وہ چیز راہن کی ہی ملکیت میں رہتی ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے مگر یہ رہن بھی ہوتی ہے اور رہن ہونے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ راہن اس کو آگے نہیں بیچ سکتا جب تک وہ دین ادا نہ کردے اس کو سادہ رہن (Simple Mortgage) کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اس صورت میں راہن دین ادا کرنے سے قاصر رہا تو مرتہن اس چیز کو اپنے دین کی وصولیابی کے لیے فروخت کرلے گا۔اس طرح کا رہن رکھنا فقہاء کے نزدیک جائز ہے ضرورت اور احتیاج کی وجہ سے۔:

"وهناك نوع آخر من الرهن يوجد في قوانين كثير من البلاد الإسلامية، لا يقبض فيه المرتهن على الشيء المرهون، وإنما يبقى بيد الراهن، ولكن يحق

[1] (1) بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ ج 1 ص 16 ط دارالعلوم کراتشی

للدائن إذا قصر المدين في الأداء أن يطالب ببيعه وتسديد دينه من حصيلة بيعه، وهذا النوع من الرهن يسمى أحيانا (الرهن الساذج SIMPLE) (MORTGAGE)وأحيانا: (الذمة السائلة FLOTING) (CHARGE)وهذا مثل أن يرهن المدين سيارته لدي الدائن، ولكن تبقى السيارة بيد المدين الراهن يستعملها لصالحه كيف يشاء، ولكن لا يجوز له نقل ملكيته إلى شخص ثالث حتى يفتك الرهن السائل بتسديد الدين، ويثبت للدائن المرتهن حق في بيعها إذا قصر صاحبها في أداء دينه، وإن هذا الحق يسمى (الذمة السائلة (FLORTING CHARGE) (فهل يجوز شرعا توثيق الدين بهذا النوع من الرهن؟ وربما يقع الإشكال في جوازه من الناحية الفقهية، أن معظم الفقهاء قد اشترطوا قبض المرتهن لصحة عقد الرهن أو لتمامه على أساس قوله تعالى: {فرهان مقبوضة} [البقرة: 283] . وفي (الرهن السائل) لا يقبض المرتهن على الشيء المرهون، فينبغي أن لا يصح هذا الرهن.والواقع أن الفقهاء، وإن اشترطوا قبض المرتهن للشيء المرهون، ولكنهم في الوقت نفسه أجازوا بعد ذلك للراهن أن يستعير ذلك الشيء منه، وينتفع به لصالحه، ولا يفسد بذلك الرهن، بل يحق للمرتهن أن يسترده متى شاء، ولئن هلك الشيء المرهون عند الراهن، فإنما يهلك على مكة، ويحق للمرتهن أن يبيعه لتسديد دينه عند حلول الأجل، ولا يكون فيه أسوة لسائر الغرماء عند إفلاس الراهن أو موته. وقد جاء في الهداية للمرغيناني: (وإذا أعار المرتهن الرهن للراهن ليخدمه أو ليعمل له عملا، فقبضه، خرج من ضمان المرتهن، لمنافاة بين يد العارية ويد الرهن، فإن هلك في يد الراهن هلك بغير شيء، لفوات القبض المضمون، وللمرتهن أن يسترجعه إلى يده، لأن عقد الراهن باق، لا في حكم الضمان في الحال، ألا ترى أنه لو هلك الراهن قبل أن يرده على المرتهن، كان المرتهن أحق به من سائر الغرماء، وهذا لأن يد العارية ليست بلازمة، والضمان ليس من لوازم الرهن على كل حال)"[1(1)]

4)تیسرے شخص کی طرف سے ضمانت:

دین کی حصولی کے لیے ایک اور طریقہ کفالت کا ہے کہ جس میں دائن اور مدیون کے علاوہ تیسرا شخص اس بات کی ضمانت اور گارنٹی دیتا ہے کہ اگر مدیون دین ادا کرنے سے قاصر رہا تو وہ میں ادا کر دونگا۔کفالت پر اجرت لینا درست نہیں ہے ،کیونکہ یہ ایک عقد تبرع ہے البتہ آج کل بنک اس پر مناسب اجرت لیتا ہے اس کے جواز کا طریقہ یہ ہے کہ بنک جو گارنٹی کے لیے جو مصارف خرچ کرتا ہے اور اس کو بروئے کار لاتا ہے یہ

[1] (1) بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ ج 1 ص 19 ط دارالعلوم کراتشی

اس کا بدل ہوگا اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بطور وکیل یا بطور دلال جو امور سر انجام دیتا ہے یہ اس کی اجرت ہوگی۔:

"ومن طرق ضمان التسديد أن يكفل طرف ثالث بمبلغ الدين ويلتزم على نفسه تسديد الدين من عنده إذا قصر المدين الأصيل، وهذا النوع من الضمان يسمى " كفالة "--- وهي تقاضي الأجرة أو الجعل على الكفالة، فإن البنوك التقليدية في عصرنا لا تضمن لأحد بأداء الدين إلا إذا رضي المكفول به ببذل أجرة معلومة على ذلك، وربما تكون لهذه الأجرة نسبة مرتبطة بمبلغ الدين، مثل الثلاث في المائة، أو الأربع في المئة. ومن المعروف في الفقه الإسلامي أن الكفالة عقد تبرع كالقرض، فلا يجوز تقاضي الأجرة عليها. ولكن ربما استدل بعض المعاصرين على جواز أخذ الأجرة على الكفالة، بأن الكفالة أصبحت اليوم عنصرا قويا من عناصر التجارة المعاصرة، وقد أنشئت من أجل ذلك مؤسسات مستقلة تقدم خدمات الكفالة وتنفق على هذه الخدمات نفقات باهظة، فلم تعد الكفالة عقد تبرع محض، وإنما أصبحت معاملة مالية يحتاج إليها التجار، وخاصة في التجارات الدولية، وليس من الميسور الحصول على المتبرعين بالكفالة بالعدد المطلوب، فينبغي أن يجوز إعطاء الأجرة عليها.--- وبهذا تبين أنه لا سبيل إلى القول بجواز أجرة الكفالة (1) ، فما هو البديل الشرعي الذي يمكن أن تتخذه البنوك الإسلامية، لا سيما في عمليات التجارة الدولية، وفي إصدار خطاب الضمان (Letter of Credit) ؟ والجواب أنه يجوز للبنك أن يتقاضى من العميل شيئين: الأول: النفقات الفعلية التي تحملها في عملية إصدار خطاب الضمان. الثاني: الأجر على جميع الأعمال التي يباشرها بصفة الوكيل، أو السمسار، أو الوسيط بين المورد والمصدر. ولكن لا يجوز له أن يطالب بالأجرة على نفس الكفالة والضمان."[1(1)]

5) کمبیالہ:

دین کی مضبوطی کا ایک طریقہ کمبیالہ کا ہے اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مشتری ایک سٹامپ پیپر پر دستخط کرتا ہے جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ مشتری کے ذمے بائع کا اتنا دین ہے جس کو مشتری بائع کو مقررہ وقت پر ادا کرے گا اس کو کمبیالہ (Bill of Exchange) کہا جاتا ہے جبکہ جس تاریخ پر دین کو ادا کرنا ہوتا ہے اس کو (Maturity date) کہا جاتا ہے۔ شریعت کی رو سے اس طرح کا دستاویز لکھنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

[1] (1) بحوث فی قضایا فقھیہ معاصرۃ ج 1 ص 21 ط دار العلوم کراتشی

مگر اس میں ایک مشکل پیش آتی ہے کہ بسا اوقات دائن اپنے دین کے حصول کے لیے اس کو کسی تیسرے شخص پر بیچ دیتا ہے اور اس سے اپنا دین وصول کرلیتا ہے یعنی یہ تبادلہ کا آلہ بن جاتا ہے اور اکثر اوقات وہ تیسرا شخص بنک ہوتا ہے اس میں خرابی یہ آتی ہے کہ اس میں دین کو اس شخص پر بیچا جاتا ہے جس پر دین ہوتا ہی نہیں اس کو شریعت کی اصطلاح میں "بیع الدین من غیر من علیہ الدین" کہا جاتا ہے جو کہ جائز نہیں ہے ۔یا دوسری خرابی یہ ہے کہ اس میں رقم کو رقم کے بدلے زیادتی اور مدت کے ساتھ بیچا جاتا ہے جو بھی جائز نہیں ۔

اس کے حل کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب کمبیالہ بنک کو مشتری سے دین وصول کرنے کا وکیل بنائے اور اس وکالت پر بنک کو اجرت ادا کرے پھر بنک سے دستاویز پر جتنی رقم لکھی ہے اتنی رقم قرض لے لیں اور بنک کو اجازت دے دیں کہ دین کی مدت ختم ہونے پر مشتری سے اپنا قرضہ وصول کرلے اس طرح یہ معاملہ درست ہو جائے گا بشرطیکہ ایک عقد دوسرے عقد کے لیے شرط نہ ہو پس نہ ہی قرض میں وکالت شرط ہو اور نہ ہی وکالت میں قرض شرط ہو اور دوسری شرط یہ کہ وکالت کی اجرت کمبیالہ کی مدت کے ساتھ مرتبط نہ ہو:

"وربما يقع توثيق الدين بتوقيع المشتري على وثيقة مكتوبة يعترف بها بكونه مديونا للبائع بمبلغ مسمى إلى أجل مسمى. ويلتزم بأداء مبلغها في تاريخ معين، وتسمى هذه الوثيقة المكتوبة في العرف المعاصر "كمبيالة" (Bill of Exchange) وإن التاريخ الذي يلزم فيه الأداء يسمى "تاريخ نضج الكمبيالة" (Maturity date). وإن توثيق الدين بالكمبيالة جائز شرعا، بل هو مندوب بمقتضى قوله تعالى: {يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه} [البقرة: 282]. ولكن المشكلة إنما تحدث من جهة أن الكمبيالة قد أصبحت اليوم آلة قابلة للتداول (Negotiable Instrument) وإن حامل الكمبيالة، وهو الدائن الأصيل ربما يبيعها إلى طرف ثالث بأقل من المبلغ المكتوب عليها، طمعا في استعجال الحصول على المبلغ قبل حلول الأجل. وإن هذا البيع يسمى "خصم الكمبيالة" (Discounting of the Bill) فكلما أراد حامل الكمبيالة أن يتعجل في قبض مبلغها، ذهب إلى شخص ثالث، وهو البنك في عموم الأحوال، وعرض عليه الكمبيالة، والبنك يقبلها بعد التظهير (1) (Endorsement) من الحامل، ويعطى مبلغ الكمبيالة نقدا بخصم نسبة مئوية منها. وإن خصم الكمبيالة بهذا الشكل غير جائز شرعا، إما لكونه بيع الدين من غير من عليه الدين، أو لأنه من قبيل بيع النقود بالنقود متفاضلة ومؤجلة، وحرمته منصوصة في أحاديث ربا الفضل. ولكن هذه المعاملة يمكن تصحيحها بتغيير طريقها وذلك أن يوكل صاحب الكمبيالة البنك باستيفاء دينه من المشتري (وهو مصدر الكمبيالة) ويدفع إليه أجرة

على ذلك، ثم يستقرض منه مبلغ الكمبيالة، ويأذن له أن يستوفي هذا القرض مما يقبض من المشتري بعد نضج الكمبيالة، فتكون هناك معاملتان مستقلتان: الأولى معاملة التوكيل باستيفاء الدين بالأجرة المعينة، والثانية: معاملة الاستقراض من البنك، والإذن باستيفاء القرض من الدين المرجو حصوله بعد نضج الكمبيالة، فتصح كلتا المعاملتين على أسس شرعية، أما الأولى، فلكونها توكيلا بالأجرة، وذلك جائز، وأما الثانية، فلكونها استقراضا من غير شرط زيادة، وهو جائز أيضا."[1] (1)

مختلف کارڈز (Cards) کا حکم:

آج کل رائج کارڈ کی تین اقسام پائی جاتی ہیں:

1) ڈیبٹ کارڈ:

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے اکاؤنٹ اس ادارے میں موجود ہوتا ہے جس ادارے کا اس نے کارڈ حاصل کیا ہے، حامل بطاقہ یعنی کارڈ ہولڈر اس کارڈ کو جب بھی استعمال کرتا ہے، ادارہ اس کے اکاؤنٹ میں موجود رقم سے اس کی ادائیگی کردیتا ہے۔ اس میں حامل بطاقہ کو ادھار کی سہولت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف اس وقت تک کارڈ کو استعمال کرسکتا ہے جب تک اس کے اکاؤنٹ میں رقم موجود ہے۔ ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔ اس کارڈ کا استعمال بلاشبہ جائز ہے اور اس کے ذریعے خرید وفروخت کرنا درست ہے کیونکہ اس میں نہ قرض کی صورت ہے، سود کی۔ البتہ حامل بطاقہ کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

2) چارج کارڈ:

اس کارڈ کے حامل کا ادارے میں پہلے سے اکاؤنٹ نہیں ہوتا بلکہ ادارہ حامل بطاقہ کو ادھار کی سہولت فراہم کرتا ہے، حامل بطاقہ کو ایک متعین ایام کی ادھار کی سہولت میسر ہوتی ہے، جس میں اس کو ادارے کو ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر اس مدت میں ادائیگی ہوجائے تو سود نہیں لگتا، البتہ اگر حامل بطاقہ نے وقت پر ادائیگی نہ کی تو پھر اس کو سود کے ساتھ ادائیگی کرنی پڑتی ہے۔ ادارہ اس کارڈ کے جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔ اس کارڈ کو چند شرائط کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے۔

1) حامل بطاقہ اس بات کا التزام کرے کہ وہ معین مدت سے پہلے پہلے ادائیگی کردے اور کسی بھی وقت سود عائد ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

2) حامل بطاقہ کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

3) اگر ضرورت ڈیبٹ کارڈ سے پوری ہو رہی ہو تو اس کارڈ کو استعمال نہ کرے۔

[1] (1) بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرۃ ج 1 ص 24 ط دارالعلوم کراتشی

3) کریڈٹ کارڈ:

اس کارڈ کے حامل کا بھی ادارے میں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہوتا بلکہ وہ معاہدہ ہی ادھار پر سود کا کرتا ہے، اس معاہدے میں اگرچہ ادارہ ایک متعین مدت فراہم کرتا ہے کہ جس میں حامل بطاقہ اگر ادائیگی کردے تو سود ادا کرنا نہیں پڑتا، لیکن اصلا معاہدہ سود کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں تجدید مدت کی سہولت بھی موجود ہوتی ہے، جس سے ادائیگی کی مدت بڑھ جاتی ہے، البتہ اس کے ساتھ ساتھ شرح سود میں اضافہ ہوجاتاہے، اور بعض صورتوں میں اضافی رقم لی جاتی ہے۔ اس کارڈ کا حکم یہ ہے کہ اس کارڈ کا استعمال جائز نہیں ہے، الا یہ کہ ڈیبٹ کارڈ اور چارج کارڈ الگ سے مہیا نہ ہو اور اس کو ڈیبٹ کارڈ اور چارج کارڈ کی طرح مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ ان تمام کارڈ کو "کریڈٹ کارڈ" کہا جاتا ہے لیکن جو اصلا کریڈٹ کارڈ ہے اس کا استعمال جائز نہیں، البتہ کریڈٹ کارڈ کا اطلاق مذکورہ بالا پہلی دو قسموں پر کیا جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

ان کے علاوہ کارڈ کی ایک قسم ہے جس کو ATM کارڈ کہا جاتا ہے یہ رقم نکالنے کا کارڈ ہوتا ہے بعض دفعہ اس کا وجود اوپر ذکر کردہ کارڈ کے ضمن میں بھی ہوتا ہے مثلا یہ ممکن ہے کہ ڈیبٹ کارڈ میں رقم نکالنے کی سہولت بھی موجود ہو۔ اس کارڈ کا حکم یہ ہے کہ اس کو استعمال کرنے پر اگر متعین رقم مشین کے استعمال کے اجرت کے طور پر ادارہ وصول کرے جو مقدار رقم سے قطع نظر ہو تو جائز ہے، لیکن اگر ادارہ رقم کو بنیاد بنا کر اس پر کچھ وصول کرے تو یہ جائز نہیں بلکہ سود ہوگا، البتہ ادارہ کارڈ جاری کرنے کی فیس وصول کرسکتا ہے ۔(ماخوذ از فتاوی عثمانی ج 3 ص 354 مکتبہ معارف القرآن کراچی)

بیع الاستجرار:

اس بیع کی صورت اس طرح ہوتی ہے کہ مشتری دکاندار سے اپنی حاجت کی چیزیں تھوڑی تھوڑی کر کے خریدتا ہے اور ان کے درمیان باقاعدہ طور پر ہر مرتبہ نہ ہی ایجاب و قبول جاری ہوتا ہے اور نہ ہی بھاؤ تاؤ۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں 1) ثمن مؤخر کے ساتھ۔ (2 ثمن مقدم کے ساتھ۔

1) ثمن مؤخر کے ساتھ:

ثمن مؤخر کے ساتھ اس بیع کی صورت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ مشتری دکاندار سے اپنی حاجت کی اشیاء خریدتا ہے اور مہینے کے آخر میں تمام معاملات کا تصفیہ کردیتے ہیں۔ متاخرین فقہاء احناف کے نزدیک اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے اور جواز کی وجہ استحسان ہے مگر پھر استحسان کی وجہ میں اختلاف ہے۔

1) کہ بائع سے جب بھی مشتری کوئی چیز لیتا ہے تو بائع اس کی ثمن بیان کرتا ہے یا اس چیز کی قیمت جانبین کو معلوم ہوتی ہیں اور اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

2) ہر بار تو ثمن ذکر نہ ہو مگر ابتدائی معاملہ کرتے وقت دونوں اس بات پر اتفاق کریں کہ مشتری عنقریب ان اشیاء کو اس دن کے بازاری نرخ پر لے گا۔اس میں اگرچہ اختلاف ہے مگر جب بائع ہر دن کا نرخ مشتری کو بتائے تو یہ معاملہ درست ہو جاتا ہے

3) دونوں کو نہ ہی ثمن معلوم ہو اور نہ ہی ابتدائی معاملہ کرتے وقت ایک معیار پر اتفاق ہو بلکہ ویسے ہی معاملہ کرتے ہیں اور ثمن کو بھی کوئی تعرض نہیں کرتے اس طرح کا معاملہ کرنا ناجائز ہے مگر متاخرین احناف نے کہاہے کہ آخر میں جب وہ آپس میں تصفیہ کرلے اور ثمن پر متفق ہو جائے تو یہ معاملہ درست ہو جائے گا۔

ان میں پہلی وجہ راجح اور زیادہ صحیح ہے:

" ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحسانا (قوله: ما يستجره الإنسان إلخ) ذكر في البحر أن من شرائط المعقود عليه أن يكون موجودا، فلم ينعقد بيع المعدوم ثم قال: ومما تسامحوا فيه، وأخرجوه عن هذه القاعدة ما في القنية الأشياء التي تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها ثم اشتراها بعدما انعدمت صح. اهـ.فيجوز بيع المعدوم هنا.--- قلت: ما في النهر مبني على أن الثمن معلوم، لكنه على هذا لا يكون من بيع المعدوم بل كلما أخذ شيئا انعقد بيعا بثمنه المعلوم قال: في الولوالجية: دفع دراهم إلى خباز فقال: اشتريت منك مائة من من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء فالبيع فاسد وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزا غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولا ولو أعطاه الدراهم، وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمنان ولم يقل في الابتداء اشتريت منك يجوز وهذا حلال وإن كان نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي والآن المبيع معلوم فينعقد البيع صحيحا. اهـ."[1](1)

وكما في بحوث قضايا فقهية معاصرة:

" أما بيع الإستجرار فهو مأخوذ من قولهم استجر المال: إذا أخذه شيئا فشيئا دون أن يجري بينهما مساومة أو إيجاب وقبول في كل مرة. والإستجرار على نوعين: الأول: الإستجرار بثمن مؤخر من مؤخر.--- أما الإستجرار بثمن مؤخر فهو ما ذكره الحصكفي في الدر المختار بقوله: (ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها) وحاصله أن الرجل يتفاهم مع صاحب الدكان ولا تقع بينهما مساومة بل يعطيه البياع الشيء المطلوب بدون ذكر الثمن ولا تلفظ الإيجاب والقبول فيستعمله المشتري وفي نهاية الشهر مثلا يحاسبه بكل ما أخذ ويعطيه الثمن دفعة واحدة.--- والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن التخريج الأول هو الراجح، وهو

[1](1) الدرالمختار مع الشامیہ ج 7 ص 28 ط حقانیہ (2) بحوث فی قضایا فقهية معاصرة ج 1 ص 56 ط دارالعلوم کراتشی

أن هذه المعاملة تصح بيعاً عند تصفية الحساب إذا اتفقا الفريقان على الثمن الإجمالي للمأخوذات."[2]

ثمن مقدم کے ساتھ:

ثمن مقدم کے ساتھ اس بیع کی صورت اس طرح ہوگی کہ مشتری سال یا مہینے کے شروع میں بائع کو ثمن ادا کردے اور اس کے بدلے باری باری کچھ چیزیں بائع سے اپنی ضروریات کے لیے لے لیں۔اب اس ثمن مقدم کی کیا حیثیت ہوگی کیا یہ ثمن ہے یا امانت یا قرض۔اگر اس کو ثمن مقدم قرار دیا جائے تو یہ درست نہیں کیونکہ ثمن مقدم کے لیے یہ ضروری ہے کہ مبیع معلوم ہو اور اس میں سلم اور استصناع جاری ہوسکتا ہو اور بیع الاستجرار میں یہ شرائط نہیں پائے جاتے۔اور اس کو امانت بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ امانت کو استعمال نہیں کیا جاسکتا جبکہ بائع اس کو اپنی ضروریات میں خرچ کردیتا ہے اور اگر اس کو قرض قرار دیا جائے تو اس کا استعمال تو بائع کے لیے جائز ہے مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ ایسا قرض ہے جس میں بیع لاحق شرط کیا گیا ہے مگر چونکہ یہ شرط متعارف ہے اور اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے اسی بناء پر آج کل جو رسائل اور مجلات جاری ہوتے ہے اور سال یا مہینہ کے ابتداء میں رقم ادا کردیتے ہے اور سال بھر ان کے گھر رسائل آتے رہتے ہیں وہ بیع الاستجرار کی بنیاد پر ہوتے ہیں:

"وأما النوع الثاني من الاستجرار، فهو أن المشتري يدفع إلى البائع مبلغاً مقدّما، ثم يستجرّ منه الأشياء، وتقع المحاسبة بعد أخذ مجموعة من الأشياء في نهاية الشهر أو في نهاية السنة مثلاً.--- والناحية الثانية: هي حيثية المبلغ المدفوع مقدّماً، هل يعتبر هذا المبلغ ثمناً مقدماً؟ أو أمانة في يد البائع؟ أو قرضاً عليه؟.أما كونه ثمناً مقدماً، فلا يصح إلا بشرطين:الشرط الأول: أن يكون المبيع وقدره ووصفه معلوماً عند تقديم المبلغ إلى البائع. فإن الثمن إنما يعتمد البيع، ومن شرائط البيع أن يكون المبيع معلوماً بذاته ووصفه وقدره.والشرط الثاني: أن يكون المبيع مما يجري فيه السّلم أو الاستصناع، وتتوفر في العقد شروط جوازه، على اختلاف في ذلك بين الفقهاء. وذلك لأن الشراء بثمن مقدم لا يكون إلا عن طريق السّلم أو الاستصناع، فيجب أن يفي العقد بشروطه.والذي يُشاهد في الاستجرار أنه لا يوجد فيه هذان الشرطان،----وإن قلنا: إن المبلغ المدفوع أمانة في يد البائع، وكلّما أخذ المشتري منه شيئاً، صار جزء من المبلغ ثمناً للمأخوذ. فينبغي أن يكون المبلغ مودعاً عند البائع كما هو، ولا يجوز له أن يصرفه في حاجة نفسه، لأن الأمانة لايجوز التصرف فيها وهذا، على كونه مشكلاً،---وإن قلنا: إن المبلغ المدفوع قرض أقرضه المشتري إلى البائع، فحلّ له استعماله، فالإشكال في أنه قرض مشروط فيه البيع اللاحق، فإن المشتري لم يقرض البائع على وجه الصلة، وإنما أقرضه ليقع به البيع في وقت لاحق، فصار البيع مشروطاً في عقد القرض، وهذا شرط يخالف ولكنها

قرض يجوز فيه شرط البيع اللاحق، لكونه شرطاً متعارفاً، فإن الدفعات تحت الحساب لا يقصد بها الإقراض، وإنما يقصد بها تفريغ ذمة المشتري عن أداء الثمن عند البيع اللاحق وأن يتيسر له شراء الحاجات دون أن يتكلف نقد الثمن في كلّ مرّة. فهذا قرض تعورف فيه شرط البيع. والشرط كلما كان متعارفاً فإنه يجوز عند الحنفية، وإن كان مخالفاً لمقتضى العقد، كما في شراء النعل بشرط أن يحذوه البائع.ومن هنا نرى الفقهاء الذين أجازوا الاستجرار لم يفرقوا بين دفع الثمن مقدماً، وبين دفعه مؤخرا ويخرّج على هذا اشتراك المجلات الدوريّة. فإن العادة في عصرنا أن الناس يدفعون بدل الاشتراك السنويّ في بدانة كل سنة إلى أصحاب هذه الدوريّات، وأنهم يبعثون إليهم نشرة من المجلة في كل شهر. فبدل الاشتراك قرض مضمون عندهم، ويقع بيع كل عدد من المجلة عندما تصل المجلّة إلى المشتري. فلو انقطعت المجلّة في أثناء السنة لزم على أصحابها ردّ ما بقي من بدل الاشتراك."[1](1)

سونے کی ادھار خرید و فروخت:

سونے کی بیع ادھار کرنسی کے عوض جائز ہے بشرطیکہ سونے پر مجلس عقد ہی میں قبضہ پایا جائے بصورت دیگر ادھار کی بیع ادھار کے عوض لازم آئے گی جو کہ ناجائز ہے۔:

" (باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير فإن نقد أحدهما جاز) وإن تفرقا بلا قبض أحدهما لم يجز لما مر۔ [تنبيه] سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة. فأجاب: بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما في البزازية لو اشترى مائة فلس بدرهم يكفي التقابض من أحد الجانبين قال: ومثله ما لو باع فضة أو ذهبا بفلوس كما في البحر عن المحيط ۔۔۔ ثم اعلم أن ذكر النساء للاحتراز عن التأجيل، لأن القبض في المجلس لا يشترط إلا في الصرف وهو بيع الأثمان بعضها ببعض أما ما عداه فإنما يشترط فيه التعيين دون التقابض كما يأتي ۔۔۔ وقيد بالنقدين؛ لأنه لو باع فضة بفلوس فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما كما في البحر عن الذخيرة."(2)

وكما فى قضايا فقهية معاصرة:

"اما اذا بيعت الفلوس بالدراهم فيكفى قبض احد البدلين فى المجلس لانه بيع بخلاف الجنس وبه صرح الكاسانى فى بيع الدرهم او الدينار بالفلوس فقال ولع لم يوجد القبض الا من احد الجانبين دون الآخر فافترقا مضى العقد على الصحة لان المقبوض صار عينا بالقبض فكان افتراقا عن عين بدين۔"

وكما فى الهندية:

---

[1](1) بحوث فی قضایا فقہیہ مواصرۃ ج 1 ص 66 ط دارالعلوم کراتشی (2) الدرالمختار مع الشامیہ ج 7 ص 422 کتاب البیوع ط حقانیہ

" ثم فرق بين بيع الدراهم بالدراهم والدنانير بالدنانير وبين بيع الفلوس بالدراهم أو بالدنانير حيث لم يشترط في بيع الفلوس بالدراهم أو بالدنانير قبض البدلين قبل الافتراق ويكتفى بقبض أحد البدلين كذا في المحيط۔ "(1)[1]

آڈر پر زیور بنانا:

جو شخص سنار ہو سونے کی ڈھالیوں سے مختلف ڈیزائنز کے زیور بناتا ہو۔ بسا اوقات اس کے پاس ایک دوسرا دکاندار آکر آڈر دیتا ہو کہ اس کے لیے فلاں ڈیزائن کا زیور بنائے۔ زیور بنانے کے بعد وہ زیور دکاندار کو حوالہ کر دیتا ہے اور اس کے عوض میں تقریبا دو دن بعد دکاندار سے اپنی کاریگری کی مزدوری اور ڈھالی کی شکل میں اتنا سونا وصول کرتا ہے جتنا اس نے زیور بنانے میں لگایا ہو۔ اس طرح معاملہ کرنا شرعا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مذکورہ مسئلہ استصناع کا ہے جو کہ عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے مگر چونکہ یہ استصناع بیع صرف میں ہے۔ اس لیے نقدین میں سے ہر ایک پر مجلس عقد کے اندر قبضہ کرنا ضروری ہے جو کہ مذکورہ صورت میں مفقود ہے اور اگر مجلس عقد میں دونوں پر قبضہ ہو بھی جائے تو بھی مزدوری کے عوض جو اضافی رقم دی جاتی ہے۔ وہ زیادت ربا (سود) شمار ہوگی لہذا اس زیادت کی وجہ سے پھر بھی یہ معاملہ جائز نہ ہوگا۔ اس کی متبادل صورت یہ ہو سکتی ہے کہ سنار پہلے زیور کو دکاندار کے ہاتھ اس طرح فروحت کرلے کہ اس کی قیمت مروجہ کرنسی میں متعین کیا جائے اور اس میں اپنی مزدوری کو بھی شامل کیا جائے۔ اور زیور پر مجلس عقد میں قبضہ کرائے۔ پھر چاہے دکاندار اس رقم کی نقد ادائیگی کرے یا اس کے لیے کوئی مدت متعین کرے۔ نیز ادائیگی کے وقت دکاندار سنار کو باہمی رضامندی سے اس متعینہ رقم کے بدلے اس روز کے قیمت کے اعتبار سے سونا بھی دے سکتا ہے۔ بشر طیکہ پہلے سے عقد میں سونا دینا مشروط نہ ہو:

" (والاستصناع) هو طلب عمل الصنعة۔۔ (سلم)۔۔۔ (صح) الاستصناع (بيعا لا عدة) على الصحيح۔۔۔ (ويشترط التماثل والتقابض قبل الافتراق إن اتحدا جنسا وإلا شرط التقابض) لحرمة النساء ۔۔۔ (الأموال ثلاثة ثمن بكل حال وهو النقدان) ۔۔۔ (باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير فإن نقد أحدهما جاز) وإن تفرقا بلا قبض أحدهما لم يجز لما مر۔ [تنبيه] سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة. فأجاب: بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما في البزازية لو اشترى مائة فلس بدرهم يكفي التقابض من أحد الجانبين قال: ومثله مالو باع فضة أو ذهبا بفلوس كما في البحر عن المحيط۔ "(1)[2]

وکما فی البحر الرائق:

---

[1] (1) فتاوی ھندیۃ ج 3 ص 217 کتاب الصرف ط حقانیہ

[2] (1) الدر المختار مع الشامیہ ج 7 ص 345، 433 کتاب البیوع ط حقانیہ (2) البحر الرائق ج 6 ص 322، 219 کتاب البیوع ط حقانیہ

(3) فتاوی ھندیۃ ج 2 ص 453 کتاب البیوع ط حقانیہ

" (تتمة) في أحكام الفلوس في المحيط لو باع الفلوس بالفلوس أو بالدراهم أو بالدنانير فنقد أحدهما دون الآخر جاز، وإن افترقا لا عن قبض أحدهما جاز۔ (قوله: فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض) أي النقدان بأن بيع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوي وزنا ومن قبض البدلين قبل الافتراق۔"(2)

وكما فى الهندية:

" (وأما شرائطه) فمنها قبض البدلين قبل الافتراق كذا في البدائع سواء كانا يتعينان كالمصوغ أو لا يتعينان كالمضروب أو يتعين أحدهما ولا يتعين الآخر كذا في الهداية۔"(3)